تحریک اور جمود

سید اسعد گیلانی

(۴)

شخصی تعلقات کی کمی

تحریک کے اندر جمود داخل ہو جانے کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ قیادت اور کارکنان کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک فاصلہ تو وہ ہوتا ہے جو کام کی کثرت، ہجومِ رفقاء کی بہتات، اور تحریکی سرگرمیوں کے اضافے کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور قائدِ تحریک کا فرد فرد سے رابطہ و تعلق و تعارف شناسائی عملاً ممکن نہیں ہوتا۔ یہ صورت تحریک میں نہ جمود پیدا کرتی ہے اور نہ کسی کو کوئی غلط فہمی یا احساسِ بُعد ہوتا ہے۔ لیکن ایک اور قسم کا فاصلہ شخصی تعلقات کی کمی، قائدینِ تحریک کی مزاجی داخلیت اور انہماکِ ذات کے سبب سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بند کمروں کی میٹنگیں بڑھ جاتی ہیں اور کھلے میدانوں کے اجتماعات کم ہو جاتے ہیں۔ تب قیادت اور کارکنان میں باہمی بُعد پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ منصوبے کے کام اور تحریکی جدوجہد کا انحصار شخصی اپیل کی بجائے ضابطہ بندی پر منحصر رہ جاتا ہے اور کارکنان اپنے اور قیادت کے درمیان ایک غیر محسوس فاصلہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کے قائدین کے دل اُن سے دُور ہیں۔ ان کے کان ان کی آواز سننے سے قاصر ہیں۔ ان کی تجاویز بہرے کانوں پر پڑتی ہیں اور ان کے مشورے بلا سماعت مسترد ہو جاتے ہیں۔ تب ان کے اندر نصب العین سے وابستگی اور طریق کار سے اتفاق کے باوجود جذبہ و ولولہ کی وہ ہما ہمی نہیں رہ جاتی جو مطلوب ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا رشتہ اپنے قائدین کے ساتھ قلب و روح کا رشتہ نہیں بلکہ ضابطہ و کاغذ کا رشتہ رہ گیا ہے۔ وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اب تحریک میں ایثار سے مراد کارکنان کا ایثار ہے۔ قربانی سے مراد کارکنان کی قربانی ہے۔ محنت و جدوجہد سے مراد کارکنان کی محنت و جدوجہد ہے۔ اور پامردی، بہادری، استقامت اور عزیمت سے مراد کارکنان کی پامردی،

بہادری، استقامت اور عزیمت ہے۔ قیادت ان امور سے اپنے آپ کو بالاتر رکھ کر سوچتی ہے۔ ایسی حالت میں کارکنان کے دل بجھنے لگتے ہیں اور یہی بجھتے ہوئے دل جمود کا باعث بن جاتے ہیں۔

باہمی شخصی تعلقات کا دوسرا رُخ کارکنوں کے دُکھ سُکھ میں شرکت کا عملی مظاہرہ ہے۔ ہر تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد انسان اپنے راستے میں بہت سے موانع پیدا کرلیتا ہے اور اس کی کامیابی سے پہلے پہلے اس کے بہت سے دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو اُسے مختلف مواقع پر مشکلات سے دوچار کرتے ہیں۔ نظامِ باطل کا ہر کارندہ اُسے پریشان کرتا ہے۔ پولیس اُسے زِچ کرتی ہے۔ محکمہ مال اسے مقدمات میں اُلجھاتا ہے۔ علاقائی چودھری اور سرکاری کارندے اس کا ناطقہ بند کرتے ہیں۔ اور تحریک سے وابستگی کے نتیجے میں اسے ہر ہر قدم پر جہاں بعض سہولتیں ملتی ہیں وہاں بے شمار مزاحمتوں سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ مقدمات کے اُلجھاؤ، قید و بند، کاروباری مشکلات اور قرض، بیماریاں اور بیکاریاں، یہ سب چیزیں اسے تنہائی میں پریشان کرتی ہیں۔ اگر اس کی وابستگی کسی زندہ اور حساس تحریک سے ہے تو وہ بجا طور پر توقع رکھتا ہے کہ اس کی مشکلات میں اس سے ہمدردی کی جائے گی اور اس کے دُکھ سُکھ میں اس کا ساتھ دیا جائے گا لیکن اگر مشکلات میں اسے کوئی مشورہ بھی دینے کے لیے نہ پہنچے، مدد و رہنمائی تو کیا اس کے ساتھی اسے تنہا ہی چھوڑ دیں کہ وہ خود ہی ہاتھ پاؤں مارتا رہے، مقدمات میں کوئی اس کی پیروی نہ کرے، مشکلات میں کوئی اس کی چارہ گری نہ کرے، حکام سے کشمکش میں کوئی اس کی پشت پر کھڑا نہ ہو، مقامی آویزشوں میں کوئی اس کا دست و بازو نہ بنے، کاروباری تباہی میں کوئی اس کی دست گیری نہ کرے اور نہ پُرسانِ حال ہو تو وہ پورے اجتماع میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کا یہ احساسِ تنہائی ان سب پر اثر انداز ہوتا ہے جو اس کے اِرد گرد جمع ہوتے ہیں اور اس کی بے چارگی دیکھتے ہیں۔ پھر ہر ایک کے دل میں یہی خوف جاگزین ہو جاتا ہے کہ اگر وہ بھی ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوا تو اس کی دست گیری بھی کوئی نہ کرے گا۔ اس طرح جرأت و شجاعت سے تحریک کی راہ میں آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ کارکنان میں سرد پڑنے لگتا ہے اور یہی سرد مہری آگے بڑھ کر اور اِرد گرد پھیل کر تحریک میں جمود کا عنوان بن جاتی ہے۔

کارکنان کے ساتھ شخصی تعلّقات کی کمی کا تیسرا پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کارکن جو حوادثِ زمانہ کے باعث مشکلات و موانعات سے دوچار ہوتے ہیں یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ تحریک کی قیادت اور بااثر افراد جس دریا دلی سے غیروں پر نوازشیں کرتے اور ان کی تالیفِ قلب کا سامان بہم پہنچاتے ہیں اتنی ہی سرد مہری

اپنے مخلص کارکنوں کے ساتھ برتتے ہیں اور گویا تحریک کا ادنیٰ کارکن ہونا ہی عدم توجہی کا باعث ہے اور تحریک سے دُوری ہی توجہ اور التفات کا ذریعہ بن جاتی ہے ۔ یہ نفسیاتی صورتِ حال ممکن ہے کہ کسی تحریک کے قائدین کی اپنے کارکناں کے ساتھ اپنائیت کے سبب پیدا ہو رہی ہو لیکن ایسی اپنائیت جو دُکھ میں مدد نہ دے، سُکھ میں رفاقت نہ کرے اور خشک ضابطہ بندی کا ہی شکار ہو کر رہ جائے، اپنے اندر اپنائیت کی چاشنی اور حلاوت نہیں رکھتی بلکہ دُوری اور بغرت کا مزاج اور اثر رکھتی ہے ۔

ذاتی محاسبے کی کمی ایک اخلاقی تحریک کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی صفوں میں اللہ کے حضور جواب دہی کے احساس کی موجودگی ہے ۔ یہ احساس جس درجہ میں موجود ہو اسی درجہ میں معمولی ضوابط بھی مؤثر ثابت ہوتے ہیں اور جس درجہ میں کُند اور غیر فعال ہو اسی درجہ میں معمولی ضوابط تو کیا تعزیرات و تادیبات بھی غیر مؤثر رہتی ہیں ۔ ایک اسلامی تحریک میں ہر شخص اس شعور کے بعد شامل ہوتا ہے کہ اسے اپنے خدا کی خوشنودی مطلوب ہے اور اسے آخرت میں اپنی ہی کارکردگی اور وفاداری کا اجر و انعام ملتا ہے ۔ اسلام کا عقیدۂ آخرت اور احساسِ جواب دہی انسان کی اصلاح کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے اندر خود اپنا محاسبہ کرنے کا جذبہ و شعور پیدا کرتا ہے ۔ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا:

مَا الْاِیْمَانُ — "ایمان کیا ہے ؟"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ"

(جب تجھے اپنی نیکی پر خوشی ہو اور اپنی بُرائی سے تکلیف ہو تو تُو مومن ہے)۔

اس نے پھر عرض کیا، "مَا الْاِثْمُ" (گناہ کیا ہے)

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ فَدَعْهُ"

(جو کام تیرے دل میں خلش پیدا کرے اسے چھوڑ دے)۔

اگر انسان میں ذاتی محاسبے کا شعور ہو، اس کا ضمیر زندہ اور بیدار ہو اور اس میں خدا کے سامنے جواب دہی کا خوف موجود ہو تو وہ جان بوجھ کر بالارادہ ایسے رضاکارانہ کام سے، جو اس کے اپنے خدا کا کام ہے اور اس کام کو کرنے سے اس کی بندگی کا فریضہ ادا ہوتا ہے کبھی گریز نہ کرے گا اور نہ اس سے پہلوتہی کرے گا۔

جس طرح ایک کسان اپنے کھیت میں کام کرنے سے پہلو تہی نہیں کرسکتا اس لیے کہ یہ اس کا اپنا کھیت ہے، جس طرح ایک دوکاندار اپنی دکان سے بے پروائی نہیں کرسکتا کہ وہ اس کی اپنی دکان ہے اور اس کا نفع و نقصان کسی دوسرے کا نہیں اس کا اپنا نفع و نقصان ہے، اسی طرح ایک بندۂ مومن خدا کے دین کے کام سے غفلت نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کا اپنا کام ہے اور اس کے بدلے میں اسے رضائے الٰہی اور آخرت میں جنت ملنی ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ سے سوال کرے کہ وہ اس تحریک سے کیوں وابستہ ہے؟ یا وہ اپنا تجزیہ خود کرے کہ اس کی مسلمانی محض دماغی مسلمانی ہے یا قلب و روح کی مسلمانی بھی ہے؟ صرف دماغ نے سمجھ لیا ہے کہ یہ کام معقول اور اچھا ہے یا دل نے بھی مان لیا ہے کہ اسی کام پر جان و دل نثار کرنا چاہیے؟

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

بعض اوقات انسان کا دماغ ایک بات کو صحیح تسلیم کرلیتا ہے، اس کے دلائل سے اس کا ذہن مطمئن ہوجاتا ہے اور اسے اس کی حقانیت پر ذہنی یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے، لیکن دل "میں نہ مانوں" کا وظیفہ پڑھتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ ایسی ذہنی مسلمانی فریضۂ بندگی کا کوئی بوجھ نہیں سہ سکتی۔ جب تک انسان کا نفس مطیع نہ ہو، دل نظریے کا عاشق نہ ہو اور اس کی طبیعت اس کے لیے جان کھپانے میں اطمینان و یکسوئی محسوس نہ کرے، اس سے محض خیالی وابستگی بیکار ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کسی تحریک میں مطمئن اور یکسو کارکنوں کی کثرت ہو۔ ان میں ایسے لوگ کم ہوں جو راستہ بھول کر یا بھٹک کر ادھر آنکلے ہوں اور ان کی منزل اور منتہائے مقصود کچھ اور ہو۔ کسی دوسری منزل کا مسافر اگر راستہ بھول کر ادھر آگیا ہو تو وہ جلد یا بدیر ضرور سمت بدل کر اپنی حقیقی منزل کی طرف چلا جائے گا اور اگر اس کی تربیت و اصلاح کا کام موثر نہ ہوا تو وہ سمتِ منزل کی طرف سے بددل ہوتا چلا جائے گا جس کے نتیجے میں تحریک کے ساتھ آگے بڑھنے کے بجائے تحریک کے اندر تعینِ منزل، سمتِ منزل اور شعورِ منزل کی لامتناہی بحثیں اٹھ کھڑی ہوں گی اور منزل کی طرف سفر کرنے کے بجائے قافلہ انتشارِ ذہنی اور جمود کا شکار ہونے لگے گا۔

نتائجِ جدوجہد میں تاخیر

کسی تحریک میں جمود داخل ہونے کا ایک یہ سبب بھی بن جاتا ہے کہ نتائج کا ریں تاخیر ہوتی چلی جاتی ہے اور لوگوں پر تکان اور مایوسی غالب آنے لگتی ہے۔ یہ تکان اور مایوسی تحریک کی

صحتِ عامہ کی طرف سے قائدین کی غفلت کے سبب پیدا ہوتی ہے اور اس طرح خاموشی سے تحریک کے اندر پھیلنے لگتی ہے جس طرح ایک بوڑھے آدمی کے جوڑوں میں درد دکھ سختی اور جمود بڑھنے لگتا ہے۔ یہ بھی ایک فطری امر ہوتا ہے اور اس کا تدارک ایک طرف تحریک میں نئے نئے افراد کی کثرت سے شمولیت کے ذریعے، اور دوسری طرف تاخیرِ نتائج کی عقلی توجیہہ، اجتماعی محاسبے کے اہتمام اور پروگرام میں مناسب اور ناگزیر تبدیلیوں کے لیے بحث و تمحیص کے اہتمام سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاملے کا عملی پہلو ہے کہ کارکنان کے سامنے سارے مسائل رکھے جائیں۔ انہیں کھلی بحث کا موقع دیا جائے۔ انہیں اپنے قائدین کے محاسبے کا خصوصی وقت فراہم کیا جائے۔ ان کے خیال میں جو کوتاہیاں ہو رہی ہوں انہیں بیان کرنے کی ہمت دلائی جائے اور کام کی بہتری کے لیے ان کے مشوروں کا احترام کیا جائے۔ اس لیے کہ وہ تو قافلے کے رہرو ہیں حقیقی ذمہ داری تو ظاہر ہے کہ قافلہ سالار کی ہی شمار ہوتی ہے۔ اگر فتح کا سہرا سالار کے گلے میں ڈالا جاتا ہے تو شکست و ناکامی کی جوابدہی بھی اسے ہی کرنی چاہیے۔ اس سے پہلو تہی ممکن نہیں ہے۔ افراد خاموش رہ سکتے ہیں، تاریخ تو خاموش نہیں رہتی۔ افراد کو ضابطوں کی پابندی سے خاموش کیا جاسکتا ہے، لیکن تاریخ کا فیصلہ تو سب کو خاموشی سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اس کا دوسرا پہلو صبر و حکمت کی کمی بھی ہوتا ہے۔ تحریک اپنے لاؤ لشکر کہیں سے نہیں لاتی۔ اسے معاشرے میں سے ہی اپنے مطلب کے آدمی چھانٹنے ہوتے ہیں۔ معاشرہ ایک وسیع انسانی سمندر کا نام ہے اس میں تحریک کا کارکن سمندر میں کھویا ہوا موتی ہوتا ہے جسے بڑی محنت اور غوّاصی سے نکالنا اور اپنے ساتھ شامل کرنا ہوتا ہے۔ یہ سمندر سے امرت نکالنے کا طویل اور جانگسل کام ہے۔ سمندر اگر موتیوں سے بھرا ہوا ہو تو یہ تحریک کی خوش بختی ہے۔ لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو کامیاب کشمکش کے لیے مطلوبہ تعدادِ افراد کی فراہمی ایک طویل عمل ہے۔ اس طویل عمل کے لئے صبر اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صبر اور حکمت کارکنوں میں کم ہی ہوتے ہیں۔ یہ سکھانے سے ہی آتے ہیں اور یہ کام بھی قیادت کا ہی ہوتا ہے کہ وہ کارکنوں میں صبر و حکمت پیدا کرے۔ جب ایک طرف نتائج میں تاخیر ہو، دوسری طرف اس کی عقلی توجیہہ موجود نہ ہو، تیسری طرف قیادت کا رابطہ کارکنان سے واجبی سا رہ جائے اور چوتھی طرف کارکنان کو صبر و حکمت کی تعلیم و تربیت کا بھی کوئی مؤثر اہتمام نہ ہو تو اس کے نتیجے میں جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ جمود ہے۔

حمیتِ حق میں کمی | کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجتماعی ماحول میں باطل کے نرغے میں رہتے رہتے اور اس کی باطل

اور ظالمانہ تگ و تاز اور کارروائیوں کو انگیز کرتے کرتے تحریک کے اندر حمیتِ حق میں کمی واقع ہوتی چلی جاتی ہے۔ حمیتِ حق اور غیرتِ ایمانی وہ مستقل قیمتی جذبات ہیں جن کی فراوانی سے مومن کے پاس باطل کے خلاف لڑائی کا ایک پورا اسلحہ خانہ تیار رہتا ہے۔ باطل کے وجود کے خلاف ایک چبھتا ہوا احساس، اس کی ناروا کارگزاریوں کے خلاف جذبات کا بھڑکتا ہوا شعلہ، اس کے ظلم و تشدد پر شدید ردعمل، اس کی موجودگی کا غصہ اور اسلامی نظام حیات کی غیر موجودگی کا غم، غرض مومن کے ضمیر میں باطل کے خلاف ایک ہمہ وقت اُبلنے والا لاوا موجود رہتا ہے جس کی موجودگی سے ہی مومن باطل کے خلاف کشمکش میں شعلۂ جوالہ کی مانند گرم و آتش زیر پا رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلبۂ باطل کے تسلسل کے سبب جذباتِ مزاحمت میں اضمحلال آنے لگتا ہے۔ جن چیزوں پر کبھی احتجاج کیا ہوتا ہے ان سے بدتر امور کے وارد ہو جانے پر پہلی چیزوں کو برداشت کرنے کے نتیجے میں جذباتِ مزاحمت و احتجاج کے اندر زوال پیدا ہو جاتا ہے اور بالآخر باطل کی پیش قدمیوں کے مقابلے میں تحریک کے مسلسل برداشت اور چشم پوشی کے رویے سے تحریک کے اندر چھوٹی برائیوں کی طرف سے مداہنت کی فضا پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہر چھوٹی بُرائی ایک بڑی بُرائی کے مقابلے میں رکھ کر برداشت کر لی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ باطل اپنی حکمتِ کار سے ہر بُرائی کو بتدریج چھوٹی بُرائی بناتا ہے اور اس سے بڑی بُرائی کو میدان میں اُتارتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جن بُرائیوں کو کبھی بڑی بُرائی قرار دے کر ان کے خلاف احتجاج کیا اور کسی چھوٹی بُرائی کو برداشت کیا تھا وہی بُرائیاں چھوٹی ہو کر قابلِ برداشت شمار کر لی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ پھر ان سے بڑی بُرائیاں میدان میں آتی چلی جاتی ہیں۔ اس طرح بُرائیوں کو برداشت کرنے کا ماحول بتدریج حمیتِ حق میں کمی کرتا اور مومن کے اندر شعلۂ ایمان کو ضعیف سے ضعیف تر کرتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ ضعفِ جذبۂ ایمانی درحقیقت تحریک کے اندر جمود کے بڑھتے چلے جانے کی واضح علامت ہوتا ہے۔

حکمتِ کار میں اختلاف تحریک کے اندر جمود کے اسباب میں ایک نہایت ہی اہم سبب حکمت کار میں اجتماعی اختلاف بھی ہوتا ہے۔ ملک و معاشرے کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر ایک طریق کار وضع کیا جاتا ہے، اور تحریک کا نظریہ، نصب العین، پروگرام اور اصولی لائحہ عمل، تحریک کو ایک دوسری نوعیت کے طریق کار کا پابند بناتا ہے۔ تحریک کا مزاج ایک خاص نوعیت کی جدوجہد چاہتا ہے اور تحریک کو چلانے والے لوگ اپنی تدبیر سے اس نوعیت کا اہتمام کرتے ہوئے کام کا ایسا نقشہ وضع کرتے ہیں جو بعض کے نزدیک تحریک کے اصولی طریق کار کے مطابق اور بعض کے نزدیک وہ طریق کار تحریک کے نظریے اور

اُصول کے مخالف و متضاد ہوتا ہے۔ اس طرح عدمِ اطمینانی کی لہر تحریک کی صفوں میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ بلاشبہہ وقتی مصالح بعض تدابیر کو بروئے کار لانے کا تقاضا کرتے ہیں لیکن تدابیر وہی بروئے کار لانا مفید پڑتا ہے جن پر تحریک کی اجتماعی رائے کو اطمینان حاصل ہو۔ اگر عدمِ اطمینان تحریک کی ہر صف، ہر مقام اور ہر نشستِ اجتماع میں مسلسل اور برابر پایا جائے تو اس سے بڑی بے تدبیری کوئی نہیں ہوتی کہ محض اپنی سوچی ہوئی تدبیر کی خاطر تحریک کے اندر اختلاف کی بحثیں چھڑ جائیں اور گھنٹوں کوئی فیصلہ نہ ہو اور برسوں لوگ اس پر مطمئن نہ ہوں وہ تدبیر لازماً ترک کر دینے کے قابل ہوتی ہے۔ ورنہ کسی عارضی تدبیر کو اگر تحریک کے اجتماعی وجود سے بھی بالاتر قرار دے دیا جائے تو اس سے بحث و مناظرے اور اختلاف و انتشار کی وہ فضا پیدا ہوتی ہے جو کسی تحریک کے لیے بھی برکت و رحمت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی تحریک کی قیادت اپنے اندر ایسی فضا کو پرورش پاتے ہوئے محسوس کرے تو اس کی بصیرت اور خدا ترسی، دونوں کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ اس تدبیر پر تحریک کو قربان نہ کرے اور ایسی تدبیر کو فی الفور ترک کر دے جس نے تحریک کی صفوں میں اختلاف و انتشار کی فضا پیدا کر دی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ حکمتِ کار (STRATEGY) ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ تحریک کی مثال ایک کشتی کی ہوتی ہے جسے صحیح سمت پر رکھنے اور اُسے آگے بڑھانے کا کام اس کی قیادت کرتی ہے۔ لیکن کشتی کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ وہ سب مسافروں کی ہوتی ہے جن کی منزل ایک ہے اور جنھوں نے اپنی زندگیاں اس کے حوالے کر دی ہیں۔ اس کے نفع و نقصان اور سلامتی سے ہر مسافر کو دلچسپی ہوتی ہے اور آدھے مسافروں کو اگر سمتِ منزل میں شبہ لاحق ہو جائے تو کشتی کو اسی رفتار سے آگے نہیں بڑھایا جا سکتا جس رفتار سے اس صورت میں بڑھایا جا سکتا ہے جب سارے مسافر یکسوئی سے کشتی کے صحیح منزل کی طرف جانے کا اطمینان رکھتے ہوں۔ جیسے ہی یہ اطمینان ختم ہوتا ہے اور تحریک کی صفوں میں تحریک کے اجتماعی مفاد کی حفاظت کی بحث چل پڑتی ہے اسی وقت یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تحریک کی رہنمائی صحیح نہیں ہو رہی ہے اور ضرورت ہے کہ لوگوں کو اپنی تحریک کی سمتِ سفر کے بارے میں اطمینان دلایا جائے۔ اس لیے کہ عدمِ اطمینان کی اس کیفیت کے بڑھتے چلے جانے کا نام جمود ہے جس کی موجودگی میں کوئی تحریک بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتی

زندگی کا سرمایہ لگانے سے اجتناب تحریکوں میں جمود کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں شمولیت

اختیار کرنے والے لوگوں کی ایک بڑی اکثریت تحریک میں زندگی کا سرمایہ لگانے کی بجائے اسے ایک جز وقتی کام سمجھ لیتی ہے۔ انسانی زندگی کا سرمایہ مال و دولت نہیں، بلکہ وقت، محنت اور انسانی صلاحیت ہے۔ اسی سے انسانی زندگی کی قدر و قیمت ہے اور اسی کے لگانے سے دنیا میں تعمیر و تخریب و تغیرّ کا سارا عمل رونما ہوتا ہے۔ وقت سب سے قیمتی سرمایہ ہے جو جہاں لگایا جائے وہاں تعمیر وجود میں آتی ہے۔ محنت سب سے بڑا ہتھیار ہے جو جہاں استعمال کیا جائے وہاں میدان فتح ہوتے ہیں۔ صلاحیت سب سے قیمتی حصّہ ہے جو کوئی شخص کسی اجتماعی کام میں ڈال کر اسے موثر، بہتر اور کامل بنا سکتا اور اس کے خلا پُر کر سکتا ہے۔

یہ چیزیں لگا کر لوگ اپنے ذاتی کاروبار چمکا لیتے ہیں۔ اپنے معاشرتی معیار قائم کر لیتے ہیں۔ اپنے مالیاتی مستقبل محفوظ کر لیتے ہیں۔ اپنے بچوں اور وارثوں کے لیے اثاثے تعمیر کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ یہ امر سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ تحریک خود ایک ملّی اجتماعی کاروبار ہے جس کی کامیابی سے ساری ملّت بلکہ ساری انسانیت فلاح حاصل کرتی ہے۔ تحریک خود ایک معاشرتی معیار ہے جس کے فروغ سے اس کا مطلوبہ معاشرتی معیار بڑھتا ہے۔ تحریک خود ایک تحفظِ افراد کی مالیاتی ضمانت ہے جو اگر کامیاب ہو تو اس کے بیت المال میں ہر ضرورت مند کا حصّہ ہوتا ہے اور جس کی کامیابی کے بعد ضرورت مند بتدریج مستغنی اور دولت مند بنتے چلے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جز وقتی کارگزاریوں سے کبھی کوئی میدان فتح نہیں ہوا اور ریزرو فوجوں سے کبھی کوئی غنیم پسپا نہیں ہوا۔ تحریک کی اصل قوت ایسے افراد ہوتے ہیں جو اپنی انسانی بنیادی ضروریات کا اہتمام کرنے کے بعد اپنی ساری صلاحیتیں، قوتیں، اوقات محنتیں اور سوچ بچار کی قوتیں، سب کچھ اُس کام کو آگے بڑھانے پر صرف کریں جو سب کا مشترک کام ہے۔ ان کی اپنی ملّت، پوری انسانیت اسلام اور اُن کے اپنے خدا کا کام ہے۔ جس کی کامیابی پر دُنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر کسی تحریک کو ایسے لوگ وافر مل جائیں تو تحریک بڑھتی پھولتی پھیلتی اور فروغ پاتی ہے اور اگر ایسے لوگوں کی کمی ہوتی چلی جائے تو تحریک سمٹتی سکڑتی، مدھم ہوتی اور بُجھتی چلی جاتی ہے۔

مخصوص مفادات پر گروہ بندی کا ناسور تحریکوں کو منجمد کر کے منتشر کر دینے اور پھر انہیں تباہ و برباد اور ہلاک کر دینے کی سب سے بڑی قوت شیطان کی اس تدبیر میں پوشیدہ ہے کہ وہ کسی تحریک کی اجتماعیت میں گروہ بندی پیدا کر دے۔ گروہ بندی ہمیشہ مخصوص مفادات (VESTED INTERESTS)

کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے، اور جب کسی تحریک کی بدبختی اسے اپنا نشانہ بنا لیتی ہے تو وہ مخصوص مفادات کی بنا پر گروہ بندی کا شکار ہو جاتی ہے۔ ویسے تو اسلامی نظامِ جماعت میں نجوٰی، چغلی غیبت، گروہ بندی جتھہ بندی، جانب داری، ہمہ نوعیت عصبیت، سوئے ظن، بے جا طرفداری، بے وجہ مخالفت، حسد، کینہ، بغض، ریاکاری، بناوٹ جیسی قبیح اخلاقی بیماریوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور یہی بیماریاں آگے بڑھ کر گروہ بندی کا ناسور پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اگر کسی اخلاقی انحطاط یا حادثے سے یہ بیماری پیدا ہو ہی جائے تو پھر اسے اس تحریک کے لیے ٹائم بم قرار دیا جا سکتا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ کر تحریک اور اس کی اجتماعی ہیئت کے پرخچے اُڑا سکتا ہے۔

مخصوص مفادات کا اشتراک بعض لوگوں میں مشترک جذبات، مشترک رجحانات اور مشترک نقطۂ نظر پیدا کر دیتا ہے اور پھر انسان معاملات کو حق اور باطل اور خدا ترسی و خدا ناترسی کے نقطۂ نظر سے سوچنے کی بجائے "میری پارٹی اور میرا جتھہ اور میرا مفاد اور میرا آدمی اور میرا راستہ اور میرا وزن" کے اصول پر جانچنے لگتا ہے۔ پھر اس سے کسی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ طرزِ عمل کی توقع ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ایک فریق ہوتا ہے جو اپنی حیثیت منوانے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ساری حدیں پھاند سکتا ہے، ہر دوسرے کے ساتھ وہ سب کچھ کر سکتا ہے، جو اس کی ضرورت ہو، جو اس کے راستے میں آئے اُسے ہر تدبیر سے نیچا دکھا سکتا ہے، اور اس کا وجود بے رحمی سے ختم کر سکتا ہے۔

ایسی صورتِ حال کا پیدا ہو جانا تحریک کے لیے تباہ کن ہوتا ہے۔ ایک جتھے کے مقابلے میں اگر دوسرا جتھا بنے، تو بات اسی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ جتھہ بندیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور تحریک اپنے مقصد کے لیے کام کرنے کے بجائے آپس کی کشاکش کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ اور اگر تحریک سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کوئی جوابی جتھے بندی نہ کریں، تو وہ ایک جتھا جو بن گیا ہوتا ہے وہ من مانی کرنے لگتا ہے اور تحریک سے عام کارکنوں کی دلچسپی ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی پیدا ہو، مفادات کی بنا پر جتھہ بندی بہرصورت تحریک کے لیے پیغامِ موت ہوتی ہے۔

عرب کی اوّلین اسلامی تحریک میں جب تک مسلمان ایک امت بن کر کام کرتے رہے، اُنھوں نے سارے جہاں کو علم و عمل کی روشنی دی۔ مگر جب اُمت کے اندر جتھہ بندیاں شروع ہوئیں تو اجتماعیت کے اخلاقی، جمہوری اور معاشرتی ادارے زوال پذیر ہوتے چلے گئے اور امت، اور اُس کے توسط سے ساری انسانیت، شریف ترین

حکمرانوں اور بہترین خادمِ خلق حکومت سے محروم ہو گئی۔ دنیا کی ہر تحریک جو تباہی کی چٹان سے ٹکراتی ہے اگر اس کے ٹکڑے لے کر ان کا تاریخی تجزیہ کیا جائے تو اس میں گروہ بندی کے ٹائم بم کا تباہ کن بارود ضرور ملے گا۔ کسی تحریک کا جو رہنما اپنی تحریک کو اس ہلاکت آفریں بیماری کے پیدا ہونے کے بعد بھی تباہی سے بچا لیتا ہے اس کو اس تحریک کا مسیحا قرار دیا جا سکتا ہے ورنہ گروہ بندی کے بعد تو کسی تحریک کی ہلاکت یقینی ہے۔

کسی فکری تحریک کا ایک زوردار ابھار کے بعد پھر جمود کا شکار ہو جانا اور معاشرے کے بیابانِ مرگ میں سکون کی نیند سو جانا کوئی انوکھا معاملہ نہیں ہے۔ اکثر تحریکوں کو اس مرگِ جمود سے سابقہ پیش آتا ہے اور وہ انہیں اسباب کا شکار ہو جاتی ہیں جن اسباب کو رفع کرنے پر وہ قادر نہیں ہوتیں یا جن کے تدارک کی طرف سے وہ غفلت برتتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابی تحریکوں کی تعداد معاشرے میں واقع ہونے والی اصلاحات کے مقابلے میں بالعموم زیادہ ہوتی ہیں۔ بہت سی تحریکیں سمندر کی پہاڑ جیسی موجوں کی طرح اٹھتیں اور صحرا کی ریت کی طرح بیٹھ جاتی ہیں۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ کسی تحریک کے باشعور قائدین ان اسبابِ جمود سے اپنی تحریک کو بچائیں جو اسباب ہر معاشرے میں اٹھنے والی فکری انقلابی اور عملی تحریکوں کو جمود کا زنگ لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے ہیں اور بالآخر ان کے ناموں اور کچھ رسمی نام لیوا ہمدردوں کے سوا ان کا کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

نئے کارکنان کی آمد میں کمی

انسانوں پر عمر کا عمل تو لازماً ضعف و اضمحلال بن کر طاری ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہر تحریک جس کی جدوجہد طویل ہو جائے اپنے بہت سے قیمتی اور سرفروش کارکنوں سے بتدریج محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ کچھ موت کا بازو تھام کر آگے نکل جاتے ہیں اور کچھ عمر کے بوجھ سے مضمحل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس طرح تحریک کی نہایت قیمتی اور آزمودہ قوت گھٹتی چلی جاتی ہے۔ لیکن اس زائل ہونے والی قوت کی کمی وہ تازہ دم، فعّال، چاق چوبند، جوان سال اور جوشِ جذبہ و قوت و توانائی سے معمور کارکن پوری کر دیتے ہیں جو اس تحریک میں تازہ ترین تاثر کے ساتھ نئے داخل ہوتے ہیں جو تحریکی فکر تو اپنے پیش روؤں سے لیتے ہیں اور اپنی قوتِ بازو سے عمل کے میدان میں اس فکر کو کئی گنا آگے بڑھا لے جاتے ہیں۔

پُرانے تھکے ماندے کارکنوں کا اضمحلال اور نئے تازہ دم کارکنوں کی قوت و چستی بالکل فطری عوامل ہیں۔ پُرانے کارکنوں نے کبھی نئے لوگوں سے بھی زیادہ کٹھن حالات میں زیادہ بڑی قربانیاں دے کر زیادہ قوت و توانائی اور ایثار و اخلاص سے بہت زیادہ کام کیا ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت خاندان کے اس بزرگ کی سی ہوتی ہے جس نے خاندان کی ایک طویل عرصے تک خدمت کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہوتا ہے۔ اور اب یہ خاندان کی نئی نسل

کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خاندان کی کفالت کا بوجھ اٹھائے - ہر پرانی نسل نئی نسل کی طرح اپنے وقت میں اپنا پرمشقت کام کر چکی ہوتی ہے اور اس کی موجودہ ذمہ داری اب فکری رہنمائی دینا اور تحریک کے مزاج کو پختگی سے اس کے حقیقی مقام پر قائم رکھنا ہوتا ہے - اگر پختہ کار اور بزرگ کارکن نہ ہوں تو تحریک کا اپنے مزاج پر قائم رہنا اور اپنی روایات کو قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے - اس لیے ان کی موجودگی اور فکری رہنمائی اشد ضروری ہے - اور اسے کسی نسلی خلاء (GENERATION GAP) کے بہانے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - بزرگ کارکنوں کی حیثیت تحریک میں دماغ کی اور نوجوان کارکنوں کی حیثیت تحریک کے ہاتھ پاؤں کی ہوتی ہے - لیکن یہ نہایت ضروری ہے کہ تحریک کے جسم کو یہ تازہ دم ہاتھ پاؤں مسلسل میسر آتے رہیں - اگر تحریک نئے کارکنوں سے محروم ہوتی چلی جائے تو اسے ایک نقطۂ انجماد تک پہنچنے اور بالآخر معاشرے میں جذب ہو جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی -

اس لیے تحریک کے ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ تحریک میں چاہے جتنا بھی اونچا نظریاتی اور تربیتی معیار رکھیں لیکن ایک خیالی مطلوبہ معیار کے ناپ تول اور اس کے حصول میں اتنی تاخیر اور شدت بھی نہ کریں کہ اسے صرف عمر رسیدہ لوگ ہی پورا کر سکیں اور اس چھلنی میں سے کئی سالوں کی چھان پھٹک کے بعد جو لوگ تحریک کے معیاری کارکن ثابت ہو کر سامنے آئیں وہ اپنی عمر کا توانائی سے بھرپور حصہ صرف ضمنِ انتظار میں ہی گزار کر مضمحل ہو چکے ہوں اور جب وہ تحریک میں داخل ہوں تو اب ان کے پاس کام نہ کر سکنے کے صرف عذراتِ شرعی ہی باقی رہ گئے ہوں -

نئے کارکن کیوں نہیں آ رہے ہیں؟ یہ سوال تحریک کے اربابِ حل و عقد کے سامنے ہر دم رہنا ضروری ہے - اور انہیں تحریک کی ضرورت اور تناسب کے مطابق نئے کارکن فراہم کر کے آگے لاتے رہنا بھی نہایت ضروری ہے - جو تحریک بانجھ ہو کر رہ جائے اور اپنی نئی نسل میں سے اپنے مطلوبہ کارکنوں کی نئی فصل تیار نہ کر سکے اسے موت کے منہ سے کوئی کرامت بھی نہیں بچا سکتی -

تحریک کے وجود میں تنظیم کی خرابیوں کی روز افزوں افزائش

تحریک کسی تنظیم کے بل پر ہی چل سکتی ہے اور ہر تحریک کا لازمی تقاضا ایک تنظیم ہوتا ہے - ایسی تنظیم جو اپنے اعضاء وجوارح میں کسی ہوئی ہو - جس میں کام کا تخمینہ، کام کا جائزہ اور کارکنوں کے اخلاقی معیار اور تحریکی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی جائے - جس میں کام لینے والوں کو اپنے ساتھیوں سے کام لینے کا فن آتا ہو - وہ ان کی نفسیات سے واقف ہوں اور ان میں حکم

چلانے کی بجائے رضاکاروں سے کام لینے کی حکمت موجود ہو۔ اس لیے کہ تحریکوں میں سب کام رضاکارانہ ہی ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی شخص بھی کسی کا ملازم نہیں ہوتا، اور جو ملازم ہوتا ہے وہ بھی جذبہ و فکر کے اعتبار سے نظریے کے سوا درحقیقت کسی کا بھی ملازم نہیں ہوتا، نہ اپنا ملازم ہونا تسلیم کرتا ہے اور وہ اپنے اندر ملازمانہ ذہن پیدا کر سکتا ہے۔ تحریک کے ناظمین، جو اوپر سے نیچے تک کام لینے کے ذمہ دار ہوں، اگر وہ خود جانتے ہوں کہ انہیں کیا کام لینا ہے۔ انہیں کل کام کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنے کا فن آتا ہو، پھر تقسیم کے بعد انہیں حسبِ صلاحیت کارکن لگانے اور انہیں اکسانے اور کام لینے کی حکمت آتی ہو، اور پھر کام کا محاسبہ کرنے اور کیے ہوئے کام پر حوصلہ افزائی اور نہ کیے ہوئے کام پر مدد، رہنمائی اور برادرانہ اور رفیقانہ تنبیہہ کا ڈھنگ آتا ہو، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تحریک فعال و متحرک ہو کر آگے نہ بڑھے۔ ان امور میں جس پہلو پر بھی کوئی خامی ہوگی وہ لامحالہ تحریک کی پیش رفت میں حارج ہوگی۔

کارکنوں میں اشغال فی الدنیا کی کثرت دنیا میں رہتے ہوئے اس کے لوازمات اور ضروریات سے صرفِ نظر نہ ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ لیکن دنیا ایک پکڑنے والی، گھیرنے والی، اپنے اندر مشغول کرنے والی اور اپنے بے شمار مسائل میں اُلجھانے والی رزمگاہِ خیر و شر ہے۔ اس کے کاموں کے بے شمار اطراف ہیں۔ اس کی ضروریات کے بے شمار شاخسانے ہیں۔ اور اس کے تعلقات کے بے شمار رشتے ناتے اور سمتیں ہیں۔ کسی تحریک کا کارکن اسی دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ تحریک بھی اسی دنیا میں چلتی ہے، تحریک کا مقصد بھی اسی دنیا کے بعض امور کو ایک رُخ سے ہٹا کر دوسرے رُخ پر ڈالنا ہوتا ہے، اس لیے ترکِ دنیا کسی انقلابی تحریک کے لیے قطعاً مقصود نہیں ہوتا۔ لیکن تحریک کا مقصد خود اپنے لیے بہت سا وقت طلب کرتا ہے، بہت سی صلاحیتیں مانگتا ہے۔ بہت سے افراد کی زندگیوں کو اپنے لیے وقف کرنا چاہتا ہے۔ اور ان سے بہت سے دوسرے اشغال چھڑا کر انہیں خالص اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ کسی تحریک سے وابستہ ہوتے ہیں اگر وہ شعور کے ساتھ وابستہ ہوں تو وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ذمے ایک ایسا کام لیا ہے جو ان سے دوسرے بہت سے کام چھڑا کر ان کی تمام تر توجہات اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ تحریکیں بے دلی یا نیم دلی سے نہیں چلائی جا سکتیں اور نہ انہیں اس کیفیت کے ساتھ کامیابی کے کسی کنارے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

ایک اسلامی تحریک اللہ کے دین کو بلند کرنے کا علم لے کر اٹھتی ہے۔ وہ اپنے کارکنوں سے دنیا کے بہت سے نا گزیر از ضرورت کام چھڑا کر انہیں اپنے کام کے لیے وقف کرنا چاہتی ہے۔ جب تک اسلامی تحریک کا مطلوبہ

انقلاب نہ آجائے اس کے کارکنوں کو دنیا داری، دنیا سازی، اور دنیا طلبی کی کوئی مہلت میسر نہیں ہے اور نہ دنیا ان کے لیے کوئی مطلوب و محبوب شے قرار دی گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دین کا کام اعلیٰ اور دنیا کا کام ادنیٰ ہے۔ دین کا کام خدا کا کام ہے اور دنیا کا کام نفس کا کام ہے۔ اور یہ دونوں کام برابر نہیں ہو سکتے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ	کہہ دو (خدا کی میزان میں) خبیث اور طیب
وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ	برابر نہیں۔ اگرچہ خبیث کی کثرت تم کو کتنا ہی فریفتہ
فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۝	کیوں نہ کرے۔ تو اے اہل بصرت اللہ سے ڈرتے رہو۔

(مائدہ - ۱۰۰)

لیکن اسلامی تحریک کے کارکن اگر تحریک کے کام کو اپنے روزمرّہ کے کاموں کی فہرست میں اس مقام پر لے جائیں کہ جب دوسرا کوئی کام نہ ہو تو پھر یہ کام بھی کر لیا جائے، جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ اپنے فارغ اوقات مختلف مشغلوں میں گزارتے ہیں اسی طرح تحریک اسلامی کے لوگ بھی اپنے فارغ اوقات میں سے کچھ حصّہ جو اور کسی کام آنے والا نہ ہو وہ اسلامی تحریک کے کام میں دے دیا کریں تو ایسی فراخ دستی اور فراخ دلی سے کوئی انقلاب رونما نہیں ہوسکتا، بلکہ تحریک کو جمود کا شکار ہونے سے بھی نہیں بچایا جاسکتا۔ کسی تحریک کو جان بوجھ کر اختیار کرنے والے لوگ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس تحریک میں شریک نہ ہونے والوں کے مقابلے میں اس تحریک کو اپنی ساری قوتیں اور اپنے سارے اوقات دینے کا جذبہ لے کر آگے آتے ہیں۔ اگر وہ بھی اُنھی لوگوں کی طرح روّیہ اختیار کریں جنھوں نے تحریک سے کوئی تعلّق پیدا نہیں کیا ہے، تو پھر افسوس ہے کہ وہ تحریک میں آئے اور صد حیف کہ وہ تحریک کے کارکن بھی کہلائیں۔ ایسے لوگوں کے بڑے سے بڑے لشکر بھی تحریک کے لیے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مورچہ فتح نہیں کرسکتے۔ (باقی)

اسلامی ادب کی تازہ ترین مطبوعات

- تھکی ہوئی رُوحیں (تازہ ترین کتاب) افسانے از اسعد گیلانی ۳۶۸ صفحات ۱۰/- روپے
- زعفران کے پھول (شگفتہ مزاحیہ منتخب تحریریں) مرتبہ سعد بن اسعد ایم اے ۲۸۷ " ۸/- "
- نوائے پردہ (مشہور منظوم نعت مع متن) از فروغ اللہ ایم اے ۱۶۰ " ۵/- "
- حضور اکرمؐ (بچوں کے لیے) از سعد بن اسعد ۲/- "

ادبِ اسلامی پبلیکیشنز - ملتان روڈ - لاہور